کلامِ مولانا سید محمد باقر شمسؔ

مولانا کی غزلوں کے اشعار چودہ برس کے سن سے اکیس برس کے سن تک کے مختلف ذریعوں سے جس قدر اور جس طرح حاصل ہوئے ہیں۔اسی طرح ردیف وار مرتب کر کے پیش کئے جا رہے ہیں۔ان پر نظر ثانی اس وجہ سے نہیں کی گئی کہ اس زمانہ کا کلام باقی نہ رہتا۔

ایک ہی قافیہ میں پوری غزل

کمبخت ہو برا دل خانہ خراب کا
مجھ پر عذاب کر دیا عالم شباب کا

دیکھا جو میں نے نامۂ اعمال حشر میں
قصہ لکھا تھا میرے اور ان کے شباب کا

ہیں یاد ان کی آج تلک دلفریبیاں
کچھ دیر خواب دیکھا تھا ہم نے شباب کا

میرے لئے تو دونوں قیامت سے کم نہ تھے
طفلی کا ان کی عہد ،زمانہ شباب کا

دیکھی جو اچھی شکل ،طبیعت مچل گئی
کچھ پوچھیے نہ حال ہمارے شباب کا

عالم میں غفلتوں کے وہ دونوں گذر گئے
طفلی کا عہد اور زمانہ شباب کا

ہم نے بھی دل کو تھام لیا سن کے یہ خبر
اب آگیا ہے ان کا زمانہ شباب کا

گرمی بڑھی رگوں میں لہو دوڑنے لگا
پیری میں یاد آیا زمانہ شباب کا

ہوتی ہیں دردِ دل میں بھی محسوس لذتیں
ہے حاصل حیات زمانہ شباب کا

❁

کتنے ہی پائے صنم پر کیے سجدے میں نے
کبھی پورا نہ ہوا شوق جبیں سائی کا

مسکراہٹ لب نازک پہ ،نگاہیں نیچی
کس سے سیکھا ہے یہ انداز دلآرائی کا

آگیا ان کا شباب ،ان کی نگاہیں بدلی
بڑھ گیا شوق انھیں کچھ ستم آرائی کا

جلوے(خود)حسن جہاں تاب کے پھیلے ہرسو
جب ہوا شوق انھیں انجمن آرائی کا

دفن کر کے مجھے رخصت ہوئے یارو احباب
طول اب حشر تلک ہے شبِ تنہائی کا

گھر کو بھی کر دیا ویرانہ میں شامل میں نے
ذوق وحشت کو مرے وہ بھی تو کافی نہ ہوا

نہ ہوا اس پہ بھی ،وہ شوخ ،وفا کا قائل
ظلم ہنس ہنس کے سہے اور کبھی شاکی نہ ہوا

دوں کس امید پہ اب جان کہ وہ ظلم شعار
کوچہ میں اپنے مرے دفن پہ راضی نہ ہوا

جس نے ان مست نگاہوں سے ملائیں آنکھیں
پھر وہ منت کشِ پیمانۂ ساقی نہ ہوا

بادہ گر خلد میں ہے سب کے لئے امر مباح
جس نے مسجد میں پیا ،وہ بھی تو عاصی نہ ہوا

دل میں جب ہوک اٹھی ضبطِ فغاں کر نہ سکا
راز اس گھر (کا) جو تھا، مجھ سے وہ مخفی نہ ہوا
عمر جس دشت میں مجنوں نے گزاری اپنی
وہ مرے ذوقِ جنوں کے لئے کافی نہ ہوا

❁

ہے شانہ کش رفیق جو گیسوئے یار میں
رگ رگ ہے میرے دل کی غضب کے فشار میں
آدم بھی آکے روئے یہاں ہجر یار میں
یہ رسم ہے قدیم اس اجڑے دیار میں
جاگے تھے شب کو، سوئے ہیں دن کو مزار میں
دنیا ہوئی ادھر سے ادھر ہجرِ یار میں
جادو بھرا تھا اس نگہ شرمسار میں
ملتے ہی آنکھ، دل نہ رہا اختیار میں
ہم تنکے چن رہے ہیں نشیمن کے واسطے
بجلی چھپی ہے دامنِ ابرِ بہار میں
آئے عدم سے گلشنِ ہستی کی سیر کو
دامن الجھ گیاہے یہاں خارزار میں
آنکھیں لگی ہیں در پہ نکلتا نہیں ہے دم
ٹھہری ہوئی ہے روح ترے انتظار میں
جوش جنوں نے دشت کو گلزار کردیا
ہے خون میرے پاؤں کا ہر نوکِ خار میں
گیسو کی یاد ہے، کبھی رخ کا خیال ہے
کٹتی ہے عمر اب اسی لیل ونہار میں
مسجد میں جاکے دیکھئے واعظ کا حالِ زار
پرہیز مے زباں پہ ہے، آنکھیں خمار میں
قاتل کو میرے سمجھے تھے دشمن کوئی مرا
نکلا تلاش سے وہ مرے دوستدار میں
عشق بتاں نے کردیا میرا تباہ حال
کس کو ہے دخل مصلحت کردگار میں
یاں جوشِ گریہ اور وہاں حکم ضبط ہے
پڑجاتی ہے گرہ مرے اشکوں کے تار میں
گردش پہ اپنی، شمسؔ! ہمیں صبر آگیا
کس کو ملا سکون اس اجڑے دیار میں

❁

ہوا نے یہ کیا احساں کہ جا کر ان کے ایواں میں
مرا رنگِ پریدہ بھر دیا تصویرِ جاناں میں
بگولے ہیں، نہ صحرا ہے، نہ سائیں سائیں آوازیں
لگے گا جی ہمارا کس طرح سے باغِ رضواں میں
انھیں کی یاد جنت میں بھی تڑپانے لگی دل کو
نہ دیکھی جب ادائیں ان کی ایسی حور وغلماں میں
بگولے ہیں فقط اک مونس تنہائی صحرا میں
انھیں کے ساتھ میں ہر سمت پھرتا ہوں بیاباں میں
نظر لگنے کا ان کے واسطے گنڈا بنانے کو
بچا رکھے ہیں میں نے تار کچھ اپنے گریباں میں
جنون عشق تھا مخصوص مجھ سے بعد مجنوں کے
نہ آیا بعد میرے کوئی دیوانہ بیاباں میں
مہہ ومعشوق ہو، ابرِ بہاراں ہو، گلستاں ہو
اسی کا نام جنت ہے نگاہ ہوشمنداں میں
نصیحت کے بہانہ سے جنابِ شیخ آئے ہیں
نظارہ کررہے ہیں بیٹھ کر بزم حسیناں میں

❁

رسوا کرے مجھے کہ اسیرِ بلا کرے
جو چاہے وہ میرا دل درد آشنا کرے
راضی ہوں میں وہ قتل کرے یا جفا کرے
بس میں کسی کے دل نہ کسی کا خدا کرے

موسیٰ نہ تاب لائے تبسم کی ایک دن
میں چاہتاہوں روز یہ بجلی گرا کرے
میری طرح کا دل نہ کسی کو نصیب ہو
ان کی طرح جواں نہ کسی کو خدا کرے!
مقصود امتحاں مری ہمت کا ہے اگر
ہر روز آشیانہ پہ بجلی گرا کرے
بے کھٹکے آؤ حشر میں الٹے ہوئے نقاب
کس کی مجال ہے ،جو تمھارا گلا کرے
ہاں ! مسکرا کے ناز سے انگڑائی لیجئے
بجلی کسی کے دل پہ گرے تو گرا کرے
جس دل کی شمسؔ! کوئی نہ حسرت نکل سکے
مرجائے وہ غریب نہ آخر تو کیا کرے

کس طرح وہ عالم کو نہ دیوانہ بنا دے
یہ حسن ،یہ انداز و ادا جس کو خدا دے
دیکھی نہیں جاتی ہے کسی سے مری حالت
اب وہ بھی یہ کہتے ہیں ،خدا اس کو شفا دے
پھر ہوش کے عالم میں بھلا آؤں میں کیونکر
غش میں مجھے دامن سے جو وہ اپنے ہوا دے
جانبازی پروانہ پہ کیجئے نہ تعجب
قسمت ہے جسے ہمت مردانہ خدا دے
وہ دیکھ کے کہتے ہیں مری نزع میں الجھن
یوں موت جوانی میں کسی کو نہ خدا دے
کیا جانے وہ کیا لطف ہے آشفتہ سری میں
جب تک نہ کسی کو دل دیوانہ خدا دے
موسیٰ! طلبِ دید پہ اصرار نہ کیجئے
کیا ہو جو نقابِ رخ روشن وہ اٹھادے
خلقت کی زباں کا ہے یہ ادنیٰ سا کرشمہ
تھوڑی سی ہو بات، اور وہ افسانہ بنا دے
آئے ہیں عیادت کو سرہانے دم آخر
اللہ مری نزع کے لمحات بڑھا دے
کیوں سجدے میں اس کے نہ جھکیں سب کی جبینیں
اک خاک کے پتلے کو جو انسان بنا دے

☆☆☆

بچپنا گزرا ، آیا عہدِ شباب
اڑ گئی نیند ، دیکھنے لگا خواب
چاندنی پھیلی ہے مرے گھر میں
جاگتاہوں کہ دیکھتا ہوں خواب
طلبِ دید پر گری بجلی
چاہنے والے کا یہی تھا جواب
کیوں نہ پھر غش پہ غش مجھے آئے
ان کو آغوش میں لیے ہے شباب
زلفیں بکھری ہیں روئے انور پر
جانِ عاشق پہ ہے دوگونہ عذاب
بھیجا مسجد سے میکدہ کی طرف
شیخ کو بھی دکھا دی راہِ ثواب
حسرتیں ساری مرگئیں دل کی
کیسا آباد گھر ہواہے خراب
موسمِ گل ہو، ساغر مل ہو
بتِ رعنا ہو اور عہد شباب
نہ رہے پھر نماز کی حاجت
شیخ گر پی لیں ایک جام شراب
آسماں پر جو ماہِ کامل ہے
ہم نے دیکھا زمیں پہ اس کا جواب
کس نے رخ سے نقاب الٹی ہے
ماہ کامل کو آرہاہے حجاب

ان کے نزدیک ناخدا کیا ہے
جو سمجھتے ہیں یہ خدا کیا ہے
بیخودی میں ہیں سجدہ ہائے نیاز
یہ نہیں جانتے ،خدا کیا ہے
سجدے پائے صنم پہ کرتے ہیں
ہم نہیں جانتے ، خدا کیا ہے
جس نے ان سا حسین خلق کیا
عقل حیراں ہے ، وہ خدا کیا ہے
کر دیا مبتلائے عشقِ بتاں
دیکھیں اب مرضی خدا کیا ہے

❁

مجھ سے پوچھو ، وہ دلربا کیا ہے
اور قیامت کا سامنا کیا ہے
حسن کی اک ادا تغافل ہے
وہ نہیں جانتا ، جفا کیا ہے
حسن شعلہ فشاں سے خواہشِ دید
اے حکیم ! آپ کو ہوا کیا ہے
مری حالت کو دیکھ کر سمجھو
حسن کیا چیز ہے ، ادا کیا ہے
دل میں رہ رہ کے ٹیس اٹھتی ہے
''یاالٰہی! یہ ماجرا کیا ہے''
عشق اور مہوشانِ غمزہ و ناز
تجھ کو ، اے شمسؔ! یہ ہوا کیا ہے

❁

لذتِ درد شیخ کیا جانے
زندگانی کا ہے یہی حاصل
قعر میں ہمت آزمائی کر
ننگ ہے ڈوبنا لبِ ساحل

❁

قفلِ زنداں آج کھولا جائے گا
لاش قیدی کی نکالی جائے گی
آرہا ہے ان کا اب عہدِ شباب
ظلم کی بنیاد ڈالی جائے گی
زندگی بھر ہم رہے محروم دید
ساتھ تصویرِ خیالی جائے گی
آرہی ہے زلف ان کی تا قدم
کس کمر سے یہ سنبھالی جائے گی
سجدہ گاہِ عام ہوگا ان کا در
قید مسجد کی اٹھالی جائے گی
ظلم ڈھانے والے یہ بھی جان لیں
آہِ مظلوماں نہ خالی جائے گی
سجدۂ بت سے اگر روکا گیا
اک نئی مسجد بنالی جائے گی
فصلِ گل میں دعوتِ پیرِ مغاں
شیخ صاحب سے نہ ٹالی جائے گی

❁

دل بیتاب اور اہلِ شباب
جانِ عاشق پہ ہے دوگونا عذاب
شیخ قدر ان بتوں کی کیا جانے
ہے یہی رونقِ جہان خراب
دل دیا ، دل کو دیں تمنائیں
ہوگئے دونوں مبتلائے عذاب

❁

فتنہ زا، وحشت فضا، دام قضا ہوتے گئے
جس قدر بڑھتے گئے گیسو ، بلاہوتے گئے
حسن بھی بڑھتا گیا ، جتنا شباب آتا گیا
دیکھنے کی چیز وہ نامِ خدا ہوتے گئے
جس قدر بڑھتا گیا سوزِ دروں عشاق کا

تیرگی گھٹتی گئی ، دل آئینہ ہوتے گئے
شمسؔ! کام آئیں نہ کچھ اپنی ضیا افشانیاں
روز گردش میں فلک کی مبتلا ہوتے گئے

متفرق اشعار

دیکھا جو مجھکو پھیر کے منہ مسکرا دیئے
بجلی گری تڑپ کے دلِ بیقرار پر
خوف محشر نہ رہا دل میں، جو دیکھا میں نے
پشت پر میرے گناہوں کے ہے رحمت اس کی
کوئی ویرانہ مرے ذوق کے قابل نہ ملا
اب کہاں لے کے مجھے جائے گی وحشت میری
دیکھا جو دل کو اس نے سوئے چرخِ بے مدار
سونا اتر گیا ورقِ آفتاب کا
مینوشی حق نے دارِ بقا میں بھی کی حلال
کہتا ہے شیخ ، دارِ فنا میں حرام ہے
قابو میں رکھے ابلق لیل ونہار کو
دیکھا نہ میں نے ایسا کسی شہسوارکو
اے خوشا عہدِ عدم ! فکر سے آزاد تھے ہم
ایک دن بھی نہ یہاں قیدِ محن سے نکلے
بجلی گرائی ، طور جلایا ، اڑائے ہوش
اتنا جلال اک ارنی کے سوال پر
سب زخم ہیں ہرے، ہے لہو سے قبا بھی سرخ
لایا ہے رنگ جوش جنوں پھر بہار میں
آرہی ہے زلف ان کی تا قدم
کس کمر سے یہ سنبھالی جائے گی
فتنہ زا، وحشت فضا ، دام قضا ہوتے گئے
جس قدر بڑھتے گئے گیسو ، بلا ہوتے گئے
کچھ نہ پوچھو درازیِ شبِ ہجر
کٹ گئی عمر اور سحر نہ ہوئی

دیکھا جو میں نے نامۂ اعمال حشر میں
قصہ لکھا تھا میرے اور ان کے شباب کا
ہوک جب دل سے اٹھی ، ضبط فغاں کر نہ سکا
راز اس گھر (کا) جو تھا ، مجھ سے وہ مخفی نہ ہوا
کتنے ہی پائے صنم پر کیے سجدے میں نے
کبھی پورا نہ ہوا شوق جبیں سائی کا
مسکراہٹ لبِ نازک پہ، نگاہیں نیچی
کس سے سیکھا ہے یہ انداز دلآرائی کا
نظر لگنے کا ان کے واسطے گنڈا بنانے کو
بچا رکھے ہیں میں نے تار کچھ اپنے گریباں میں
آئے عدم سے گلشن ہستی کی سیر کو
دامن الجھ گیا ہے یہاں خارزار میں
نشانہ تیر کا رقیبِ بدگماں کیوں ہو
اجل آئی ہوئی میری نصیبِ دشمناں کیوں ہو
آنکھیں لگی ہیں در پہ ، نکلتا نہیں ہے دم
ٹھہری ہوئی ہے روح ترے انتظار میں
کبھی دنیا میں پھر نہ ہوگی سحر
ہجر کی شب اگر سحر نہ ہوئی
ملتے ہی آنکھ اس فسوں گر سے
دل گیااور ہمیں خبر نہ ہوئی
ہوئے آغازِ عشق ہی میں ہلاک
غرق ہم ہوگئے لبِ ساحل
ہے عجب طرح کی یہ کشمکشِ موت وحیات
نہ میں جینے پہ ہوں راضی ، نہ وہ مرجانے پر
شعلۂ عشق اگر دل میں فروزاں ہوجائے
بڑھ کے یہ قطرۂ خوں مہر درخشاں ہوجائے
آنکھ ساقی سے ملی جیسے ہی میخانہ میں
کھنچ کے مے آگئی پیمانہ سے پیمانہ میں
ہے غورِ غریباں میں وہی شمس کا مدفن

تربت جو کوئی دل کے دھڑکنے کی صدا دے
خاک کے ذروں سے 'اف، اف!' کی صدا آتی ہے
میرا افسانۂ غم قصۂ ماضی نہ ہوا
دم نکلتا ہے تری زلف کے سودائی کا
جھلملاتا ہے ستارہ شبِ تنہائی کا
چارہ گر کیا سمجھ سکیں گے بھلا!
درد کیسا ہے اور دوا کیا ہے
دیکھتے ہی بگڑ گئے تیور
کس سے کہتے کہ مدعا کیا ہے
حشر میں چھوڑ دیا دیکھ کے اترا ہوا منہ
آچکا تھا مرے ہاتھوں میں گریباں ان کا
سامنا جب ہوا محشر میں تو کچھ نہ کہہ سکا
مجھ سے دیکھا نہ گیا ان کا پریشاں ہونا
لذتِ زندگی وہ کیا جانے
جسکو دردِ جگر نہیں ہوتا

سہرا

خنکی چشم نہ کیونکر ہو یہ پیارا سہرا
رخ نو شاہ، دل افروز، دلآرا سہرا
پردۂ ابر سے ہے نیر اعظم تاباں
رخِ نوشاہ پہ کیوں ہے نظر آرا سہرا
فرطِ شادی سے کھلی پڑتی ہیں کلیاں ساری
کیوں نہ گلریز و گہر بار ہو سارا سہرا
دل کی دیرینہ امیدوں کا مہکتا گلشن
بحرِ الفت کا مچلتا ہوا دھارا سہرا
لہروں سے بحرِ مسرت کی ہیں لڑیاں جنباں
دل کی بیتابیوں سے بن گیا پیارا سہرا
صبحِ نوروزِ مسرت کا منور خورشید
شبِ عشرت کا چمکتا ہو تارا سہرا
بہنوں کا غنچۂ دل، بھائیوں کا تارِ نگاہ
کس نے گوندھا ہے یہ اس طرح کا پیارا سہرا
ماں کو بیحد ہے خوشی گلشنِ فردوس میں آج
کاش وہ دیکھتیں دنیا میں تمھارا سہرا
پانچ لڑیاں نہیں الفت کی یہ زنجیریں ہیں
شرحِ پیمانِ محبت ہے یہ سارا سہرا
ذمہ داری و فرائض کی نئی زنجیریں
زندگی کی نئی تعمیر کا گارا سہرا
سایۂ پنجتنِ پاک ہے یہ دولہا پر
پانچوں لڑیوں سے یہ کرتا ہے اشارا سہرا
ملے گلہائے شگفتہ کو بہارِ جاوید
رہے شاداب ہمیشہ یہ دلآرا سہرا!
اشرفِ انبیاء محمود و محمدؐ، احمدؐ
صدقے میں ان کے مبارک ہو یہ پیارا سہرا!
گود آباد ہو جلدی سے دلہن کی، یا رب
بنے تمہید محبت کی یہ پیارا سہرا!
لڑیاں موتی کی پروئی ہیں کہ موزوں اشعار
کہہ کے لایا ہے جو شمسِ سخن آرا سہرا

دعائیہ اشعار

چھائی ہے یوں خوشی چمنِ روزگار میں
جیسے گھٹائیں جھوم کے آئیں بہار میں
موجِ ہوا میں ہے مئے سرجوش کا اثر
مستی سے جھومتے ہیں شجر کوہسار میں
آئے ہیں بور آم میں، کوئل ہوئی ہے مست
آتی ہے، پی کہاں! کی صدا گوشِ یار میں
طاؤس مستِ رقص ہے قمری خرام میں
شاماں ہے مستِ نغمہ چمن کے کنار میں
پریاں ہیں مست قاف میں، حوریں جناں میں مست

طائر ہوا میں مست ، ہرن سبزہ زار میں
بلبل ہیں شاخِ گل پہ نوا سنج باغ میں
جنگل کے شیر گونج رہے ہیں کچھار میں
سرخی بڑھی ہے پھولوں میں سرخی گیاہ میں
شعلے بھڑک رہے ہیں درختِ چنار میں
روشن نگاہِ نرگسِ بیمار ہوگئی
پھول آگئے ہیں سر و لبِ جوئے بار میں
سوسن ہوئی یہ فرطِ مسرت سے تر زباں
وجہِ طرب یہ ہے چمنِ روزگار میں
ہر چیز پہ ہے بادۂ گل رنگ کا اثر
خوں دوڑنے لگا رگِ ابرِ بہار میں
عشاق آہ و نالہ فراموش کرگئے
باقی رہے نہ داغ دلِ داغدار میں
پھیلی ہوئی ہیں چاروں طرف کیوں مسرتیں
کیوں خندہ زن ہے کبکِ دری کوہسار میں
سرمہ لگایا نرگسِ شہلا نے آنکھ میں
غازہ ملا ہے پھولوں نے کیوں لالہ زار میں
سنبل نے اپنے بال سنوارے ہیں کس لئے
کیوں منہمک عروسِ چمن ہے سنگھار میں
شادی رچی ہے آج نقی کی ثمینہ سے
عطر سہاگ کی ہے مہک گل کے ہار میں
سہرا بنا ہے دونوں کے سر پر جو بیاہ کا
یوں ہنس رہے ہیں ، جیسے گلِ تر بہار میں
بر آئی ہے مراد ضعیفی میں باپ کی
یہ دن ہوا نصیب بڑے انتظار میں
خالق سے اب دعا ہے کہ یہ دونوں نونہال
پھولیں ، پھلیں صدا چمنِ روزگار میں

تعمیۂ ''د''، ۱۹۸۳ء=۱۹۸۷

دعائیہ اشعار

یہ دعا شمسؔ کی دل سے ہے کہ، اے رب عباد!
رکھ تو دنیا میں ثمینہ کو نقی کو دلشاد
سایۂ پنجتن پاک رہے دونوں پر
ہر گھڑی ان کو زمانہ میں مسرت ہو زیاد
ان کے مقصد کا سفینہ لبِ ساحل پہنچے
خضر کی عمر ، سکندر کا اسے دے اقبال
ان کے گھر کو وہ کرے اپنے قدم سے آباد
اس کے دیدار سے ہوں سب کی نگاہیں روشن
صاحبِ فکر و نظر ہو وہ مثالِ اجداد
حذف آباد سے 'با' کرکے کہی یہ تاریخ
رہیں دنیا میں نقی اور ثمینہ آباد

تخرجہ ''با''=1407۱۴۱۰×۳=۳=

قطعۂ دعائیہ

بمصرع

انیسؔ

یارب ! بحقِ سید و سردار انبیاءؑ
خوش اور تندرست ثمینہ رہے سدا
کشتِ امید اس کی ہمیشہ ہری رہے
صندل سے مانگ، بچوں سے گودی بھری رہے

بتقریب شادیِ خانہ آبادی سید محمد نقی، فرزندِ مولانائے محترم

تھا نقی اور ثمینہ کا جو ہمرنگ مزاج
مل گئے دونوں بحکم شرع و حسبِ رواج
سالِ تاریخ کیا شمسؔ سخنور نے رقم
اقترانِ مہ و خورشید ہوا باہم آج

۱۹۸۷ء

قطعہ تاریخِ وفات

زوجۂ مرحومہ واحدہ بیگم

واحدہ رفت چوں زِ دارِ الم
دلم از فرقتش شدہ پر غم
شمسِ محزون نوشت تاریخش
منزلِ واحدہ ریاضِ ارم
۱۴۰۳ھ

قطعہ

ان کی یاد میں

وہ دن اب یاد آتے ہیں، رفاقت میں جو گذرے ہیں
بڑی حسرت سے لب پر واحدہ کا نام آتا ہے
یہی اک فکر اب دن رات دامن گیر رہتی ہے
ہمارے واسطے کب موت کا پیغام آتا ہے

قطعۂ تاریخِ وفات

لختِ دلِ شمس خستہ جاں۔۔۔سید محمد مرتضیٰ مرحوم

وہ مرتضیٰ کہاں ہے، رشکِ قمر ہمارا
روشن تھا جس کے دم سے ہر بام و در ہمارا
آغوش سے ہماری اس کو اجل نے چھینا
کڑیل جواں ابھی تھا نورِ نظر ہمارا
تاریک ہوگئی ہے دنیائے دوں نظر میں
تاب و توانِ دل تھا (وہ) ماہ وش ہمارا
بے درد موت! تو نے کیسا ستم یہ ڈھایا
پیری میں اس طرح سے دل توڑ کر ہمارا
تاریخ یہ لحد پر لکھ دو سرِ ولا سے
مدفوں ہے اس جگہ پر لختِ جگر ہمارا
بہ تعمیۂ ''واؤ'' ۶+۱۹۸۶=۱۹۹۲ء

نعت

اولیں صنعتِ صناع ، رسولِ قرشی
ہے جو مکی ، مدنی ، ہاشمی و مطلبی
جس کا دین پیکرِ ہستی کی حیاتِ نو ہے
جس کے آئیں میں برابر عربی و حبشی
جس پر نازل کیا قرآن مبیں خالق نے
اس سے انکار جو کرتا ہے ، وہ ہے بولہبی
مثل اس کا نہ سرِ عرش ، نہ بالائے زمیں
ہے وہی بعد خدائے عبدی و ازلی
اے کہ از طٰہٰ و یاسیں بتو حق کرد خطاب
دل و جاں بعد فدایت کے عجب خوش لقبی
آنچہ تو کرد نہ کردند رسولانِ کبار
مرحبا ، سید مکی ، مدنی العربی
تجھ کو خود حق نے بنایا ہے وسیلہ اپنا
تجھ سے اس وجہ سے ہم کرتے ہیں حاجت طلبی
شمس پر بھی نظر لطف و کرم ہوجائے
تیری ہی خاکِ درِ پاک سے ہے وہ نسبی

منقبت

نائبِ صاحب معراج ، علیِ اعلا
حجت اللہ علی الخلق ، امام دوسرا
قاسمِ نار وجناں، شوہر خاتونِ جناں
بندۂ خالق کونین ، نصیری کا خدا

الہامِ غیبی

تیسری جنوری، 1994ء کی شب کو ایک واقعہ سے متاثر ہو کے بیساختہ منقبت کے یہ اشعار نظم ہوگئے، اس وجہ سے اس کا نام ''الہامِ غیبی رکھا''۔ اس منقبت میں یہ صفت پیدا ہوگئی ہے کہ پہلے مصرعے بھی ہم قافیہ ہیں۔

وہ علیؑ مولائے کل ، فخر رسولانِ کبار
جس نے رکھے دوش پر ختم الرسالت کے قدم
ساقیِ تسنیم و کوثر قاسمِ فردوس و نار
شوہر زہرا ، ابوالسبطین و مولودِ حرم
مفتیِ ہر چار دفتر، عابدِ شب زندہ دار
رزم میں قہر الٰہی ، بزم میں ابرِ کرم
خاصف النعلینِ پیغمبر ، جلالِ کردگار
خسروی کا تاج جس کے زہد کے زیرِ قدم
مہدیِ اژدر شکار و جنگ میں مرحب شکار
سامنے سے جس کے شیرانِ دغا کرتے تھے رم
شاہِ مرداں ، شیرِ یزداں ، قوتِ پروردگار
ضارب السیفین ، بازوئے رسولِ محترم
لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذو الفقار
جس کے آگے ہر جوانِ تیغزن تھا سر بخم
کل ایماں ، ہل اتیٰ و انما کا تاجدار
سب کمالات انبیاء کے ذات میں جس کے تھے ضم
وہ کلام اس کا ، جو ہے تحتِ کلام کردگار
سب فصیحانِ عرب کو کردیا جس نے عجم
آج تک دنیا میں زیرِ آسمان بے مدار
کوئی مثل اس کا نہیں پیدا ہوا، حق کی قسم !
ہے دعا یہ شمسؔ کی ، اے داورِ روزِ شمار !
ہو زباں پر حشر تک ، مست ولائے حیدرم

(جنوری، ۱۹۹۴ء، شبِ جمعہ کو)

نظم

حسبِ حال،تصنیفِ حال

اب حالِ شمسؔ کہنے کے قابل نہیں رہا
جو دل تھا اس کے سینے میں ، وہ دل نہیں رہا
سر سے دماغ ، نور بصر سے نکل گیا
اب وہ غریب ، درخورِ محفل نہیں رہا
رخصت ہوئے قوائے عمل کہہ کے الوداع
اب موت و زیست میں کوئی فاصل نہیں رہا
آزاد زندگی سے بقیدِ حیات ہے
اس طرح جینے کا کوئی حاصل نہیں رہا
ہاں ! یہ بھی اک کرشمۂ طولِ حیات ہے
زندہ ہے اور زندوں میں شامل نہیں رہا
رکتا نہیں سفینۂ عمرِ رواں کہیں
کیا اس کے واسطے کوئی ساحل نہیں رہا
اتنا ضعیف کردیا پیری نے شمسؔ کو
کیادم بھی توڑ نے کے وہ قابل نہیں رہا

قطعات تاریخِ وفات ہائے شمسؔ مرحوم بقلم خود مرقوم

میری عمر پچاسی سال کی ہے۔ زائچہ کی رو سے بانوے سال شمسی ہے۔اس حساب سے میری عمر کے سات سال ابھی باقی ہیں،لیکن اتنا زندہ رہنے کی امید قطعاً نہیں۔قویٰ اس درجہ مضمحل ہو چکے ہیں کہ ہردن انتظارِ موت میں گذرتا ہے، مگر احتیاطاً میں نے اب سے ۲۰۰۲ء تک کی تاریخیں کہہ دی ہیں کہ انھیں میں سے کوئی تاریخ میری قبر پر لکھ دی جائے۔

تاریخ ہائے وفات

درسنین ہجری

شمس چوں رفت ازیں دارِ الم
بزم اربابِ ادب شد برہم
گفت تاریخِ وفاتش رضواں
شمس شد وارِدِ گلزارِ ارم

۱۴۱۴ھ

شمس چو زیرِ زمیں شد پنہاں
خاک تاریک بشد نور افشاں
گفت تاریخِ وفاتش ہاتف
شمس رفتہ بسوئے صحن جناں

۱۴۱۵ھ

شمس چو رفت بزیرِ تربت
دور از خاکِ سیہ شد ظلمت
گفت تاریخِ وفاتش ہاتف
مسکن شمسؔ بقصر جنت

۱۴۱۵ھ

لبریز میری عمر کا پیمانہ ہوگیا
مدت کے بعد ختم یہ افسانہ ہوگیا
تشریف لائے نزع میں حلالِ مشکلات
پیشِ نگاہ جلوۂ جانانہ ہوگیا
رضواں نے دی صدا کہ زہے قسمتِ رسا
دیدارِ شہ نجات کا پروانہ ہوگیا
تاریخِ فوت اپنی یہ برجستہ کی رقم
دار الارم میں شمسؔ کا کاشانہ ہوگیا

۱۴۱۷ھ

تاریخِ فوت میں نے کہی از سرِ الم
دار الارم میں شمس کا کاشانہ ہوگیا

بہ تعمیہ ''الف'' =۱+۱۴۱۷=۱۴۱۸

تارۂ وفات میں نے کہی از سر بقا
دارالارم میں شمس کا کاشانہ ہو گیا

بہ تعمیہ با=1419=1417+2

تاریخ فوت میں نے کہی از سرِ جناں
''دار الارم میں شمس کا کاشانہ ہوگیا

بہ تعمیہ جیم=1420=1417+3

تاریخ فوت میں نے کہی از سر دوام
دارالارم میں شمسؔ کا کاشانہ ہو گیا

بہ تعمیہ دال=1421=1417+4

تاریخِ فوت میں نے کہی از سرِ ہدف
دار الارم میں شمس کا کاشانہ ہوگیا

بہ تعمیہ ''ہا'' ۵+۱۴۱۷=۱۴۲۲ھ

تاریخ فوت اپنی یہ برجستہ کی رقم
بیتِ نعیم شمس کا کاشانہ ہوگیا

۱۴۲۲ھ

تاریخ فوت میں نے کہی از سرِ کرم
فردوس شمس زار کا کاشانہ ہوگیا

بہ تعمیہ ''کاف'' ۲۰+۱۳۹۸=۱۴۱۸ھ

تاریخ ہائے وفات

درسنین عیسوی

ہوا جو شمس تہِ خاکدان، تیرہ مکیں
بلند ہوگئی رتبہ میں آسماں سے زمیں
کہا یہ مصرع تاریخ اس نے برجستہ
ہوا جوارِ حبیب خدا میں خلد نشیں

۱۹۹۳ء

لبریز میری عمر کا پیمانہ ہوگیا
مدت کے بعد ختم یہ افسانہ ہوگیا
تشریف لائے نزع میں حلالِ مشکلات
پیشِ نگاہ جلوۂ جانانہ ہوگیا
رضواں نے دی صدا کہ زہے قسمت رسا
دیدارِ شہِ نجات کا پروانہ ہوگیا
تاریخ فوت میں نے کہی از سرِ زمیں
بستانِ خلد شمس کا کاشانہ ہوگیا

بہ تعمیہ ’’زا‘‘ ۷+۱۹۸۷=۱۹۹۴ء

تاریخِ فوت میں نے کہی از سرِ حزیں
بستان خلد شمس کا کاشانہ ہوگیا

بہ تعمیہ ’’حا‘‘ ۸=+۱۹۹۵=۱۹۸۷ء

تاریخ فوت میں نے کہی از سرِ طریق
بستان خلد شمس کا کاشانہ ہوگیا

بہ تعمیہ ’’طا‘‘ ۹+۱۹۸۷=۱۹۹۶ء

تاریخ فوت میں نے کہی از سرِ یقیں
بستانِ خلد شمس کا کاشانہ ہوگیا

بہ تعمیہ ’’یا‘‘ ۱۰+۱۹۸۷=۱۹۹۷ء

شمس چو رفت بزیرِ تربت
دور از خاکِ سیہ شد ظلمت
گفت تاریخِ وفاتش ہاتف
مامنِ شمس ریاضِ جنت

۱۹۹۵ء

اب تک نہ کھل سکا، یہ مشیت کا ہے وہ راز
کب بند ہوگا، زیست کا جو بج رہا ہے ساز
کل تک تھے شمس زینتِ کاشانۂ حیات
آج ان کے واسطے درِ جنت ہوا ہے باز
تاریخ ارتحال یہ شاعر نے کی رقم
جنت ہے اب سے منزلِ شمسِ سخن طراز

۱۹۹۵ء

کہی ہاتف نے یہ تاریخِ وفات
منزلِ شمس ہے ارضِ جنت

۱۹۹۷ء

شمس چو رفت بزیر تربت
دور از خاکِ سیہ شد ظلمت
گفت تاریخِ وفاتش ہاتف
شمس شد داخل دارِ جنت

۱۹۹۷ء

تاریخِ ارتحال یہ شاعر نے کی رقم
اب گلشنِ جناں میں ہیں شمسِ سخن طراز

۱۹۹۹ء

کہی ہاتف نے یہ تاریخِ وفات
مامنِ شمسیؔ ہے ارضِ جنت

۲۰۰۰ء

کہی ہاتف نے یہ تاریخِ وفات
مامنِ شمسؔ ہے باغِ جنت

۲۰۰۲ء

منزلِ شمس ہے باغِ جنت

۱۹۹۸ء

اب تک نہ کھل سکا، یہ مشیت کا ہے وہ راز
کب بند ہوگا، زیست کا جو بج رہا ہے ساز
کل تک تھے شمس زینتِ کاشانۂ حیات
آج ان کے واسطے درِ جنت ہوا ہے باز
تاریخِ ارتحال یہ شاعر نے کی رقم
جنت ہے اب سے مامنِ شمس سخن طراز

۱۹۹۹ء

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال ولا کرام رضا بہ قضائہ وتسلیماًلامرہ

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ پر میرا سلام ہو!
میں اپنی زندگی کے دن پورے کر چکا ہوں
آپ زندہ رہیں ہزار برس!
تاریخ تحریر
بندۂ خطا کار، احقر، محمد باقر شمس

۱۹۹۶ء

❁❁❁